غزلیات

غزل - ۱

ولؔی دکنی

پیش درس

غزل اُردو شاعری کی ایک بہت مقبول صنف ہے۔ اُردو زبان کی ابتدا ہی سے غزل عوام اور خواص میں خوب پسند کی جاتی رہی ہے۔ فارسی غزل کے اثرات نے اُردو غزل میں ایرانی روایات کو داخل کر دیا تھا۔ اس تعلق سے ولؔی دکنی کا نام اہم ہے کہ انھوں نے مقامی دکنی اثرات کے ساتھ فارسی کے خیالات اور مضامین کو اپنی غزل میں شامل کیا۔ پھر بھی اُردو غزل سے قدیم دکنی اثرات ایک زمانے کے بعد ختم ہوئے۔ جیسے جیسے زبان میں تبدیلیاں آئیں، غزل کی شاعری میں بھی ان تبدیلیوں کو جگہ ملتی گئی۔ ناسخؔ اور ان کے شاگردوں نے زبان کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ انھوں نے بہت سے الفاظ اور روزمرہ کو غزل میں استعمال کرنا بھی ترک کر دیا۔ ان کے بعد مصحفیؔ، آتشؔ، انشاؔ وغیرہ نے غزل میں نئے خیالات اور زبان کے نئے نئے استعمالات کو داخل کیا۔ ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، حالیؔ وغیرہ کے زمانے تک اُردو زبان اپنے شباب پر آ چکی تھی۔ ذوقؔ اور غالبؔ مغل دربار کے اہم شاعر تھے۔ دونوں کے شاگرد ہندوستان بھر میں موجود تھے اس لیے ان کی زبان کے اثرات بھی دور دور تک پھیلے۔ ان کے بعد ریاضؔ، اصغرؔ، جگرؔ اور یگانہؔ کی غزل کے رنگ اُردو میں نمایاں نظر آنے لگے۔ داغؔ، اقبالؔ اور جوشؔ نے اپنے زمانے کے افکار و خیالات کو غزل میں عام کیا جو عوام میں وطن کی محبت کا جذبہ بیدار کرنے والی لفظیات سے مالا مال تھے۔ ملک کی آزادی کی تحریک کے دوران ترقی پسند ادبی تحریک کے زیرِ اثر فراقؔ، مجروحؔ، جذبیؔ، مخدومؔ، ساحرؔ وغیرہ نے غزل میں اشتراکیت اور عقلیت پسند خیالات کو شامل کیا۔ اس غزل کی لفظیات پرانی شاعری کی لفظیات سے مختلف ہے۔

دوسری جنگ عظیم اور ملک کی آزادی کے بعد دنیا بھر میں بہت سی فکری اور مادّی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ یورپ اور امریکہ کے فلسفے دور دور تک پھیل گئے۔ اس زمانے کے ادیبوں، شاعروں نے جدید تعلیم حاصل کی تو ان کو بھی مغربی خیالات نے بہت متاثر کیا۔ اس زمانے میں اُردو شاعری جدیدیت سے متاثر ہوئی اور نظم میں ہیئتی تبدیلیوں کے ساتھ غزل میں فکری اور فنی تبدیلیاں واقع ہونے لگیں۔ ناصرؔ، شکیبؔ، جامیؔ، بانیؔ، عمیقؔ، شہریارؔ، علویؔ، ندا وغیرہ شعرا نے پرانی زبان اور مضامین کو ترک کر کے بالکل نئے لفظوں میں غزل کہنی شروع کی جس کی مثالیں ان کی غزلوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

آپ غزل کی ہیئت (مطلع، مقطع، قافیے، ردیف) سے واقف ہیں۔ یہاں اُردو زبان کی ابتدائی مثال سے لے کر موجودہ عہد تک کی غزل کی زبان اور لفظیات کی مثالیں مختلف شعرا کی غزلوں میں پیش کی گئی ہیں۔

جان پہچان

ولیؔ کا پورا نام ولی محمد تھا۔ ان کے آبا و اجداد گجرات سے ہجرت کر کے دکن کی طرف آئے اور وہیں بس گئے۔ عام خیال یہ ہے کہ ولیؔ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا سنۂ پیدائش ۱۶۶۸ء بتایا جاتا ہے۔ انھوں نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو دکن کے پیش رو شعرا کے برخلاف غزل کی طرف زیادہ توجہ دی۔ اس صنف کو انھوں نے بہت جلد بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

جب ولیؔ دلّی پہنچے (۱۷۰۰ء) تو اہلِ دلّی نے ان کی اور ان کے کلام کی بڑی قدر کی۔ ولیؔ کی شگفتہ اور خوش آہنگ غزلوں نے دلّی والوں کا دل موہ لیا۔ یہیں سے اُردو غزل کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ ولیؔ سے پہلے دکنی شاعری میں عشق کا سطحی تصور عام تھا، ولیؔ نے عشق کے تصور کو گہرائی اور گیرائی سے آشنا کیا اور داخلیت کی کیفیات پیدا کیں۔ ولیؔ کا عشق تصوف آشنا ہے۔ یہ اُردو غزل میں بالکل نیا مضمون تھا۔ ۳۱/اکتوبر ۱۷۰۷ء کو ان کا انتقال ہوا۔

نہیں کُئی تا سنے احوال میری دل فگاری کا
کہوں کِس کَن ، گریباں چاک کر ، دکھ بے قراری کا
عجب نئیں اُٹھ کے بے تابی سوں سر مارے کنارے پر
سنے گر ماجرا دریا ہمارے اشکِ جاری کا
ترے غم میں نَیَن سے جو نکلتا ہے انجھو باہر
دؤجا گوہر کہاں ہے جگ میں اُس کی آبداری کا
تری وو انتظاری ہے جسے حد ہَور نہایت نئیں
شکایت کِس کَنے جا کر کروں اس انتظاری کا
ہوئی ہے آرسی جوگن ترے مکھ کے تصور میں
بھبھوتی مؤ پہ کیا دم مارتی ہے خاکساری کا
کھڑا ہے راستی کے دم میں یک پگ پر ، سو جیوں جوگی
ترے قد سوں لگا ہے دھیان سروِ جوئباری کا
ولؔی انکھیاں کی کر داوات ، پتلی کی سیاہی سوں
لکھیا تیری صفت کوں لے قلم معنی نگاری کا

معانی و اشارات

- کُئی - کوئی
- تا - تا کہ
- دل فگاری - دل کا زخمی ہونا
- کِس کَن - کس کے پاس، کس سے
- نئیں - نہیں
- سوں - سے
- سر مارے - سر پٹکے
- انجھو - آنسو
- دؤجا - دوسرا
- آب داری - چمک
- وو - وہ
- نہایت - ختم، خاتمہ
- کِس کنے - کس کے پاس، کہاں
- آرسی - آئینہ
- جوگن - راہبہ، سنیاسن، جوگی کا مؤنث
- بھبھوتی - ایک قسم کی راکھ جسے جوگی اپنے بدن پر مَلتے ہیں۔
- مؤ - منہ
- راستی - سیدھا پن، سچائی
- یک پگ - ایک پاؤں
- سروِ جوئباری - نہر کے کنارے اُگا ہوا سرو
- انکھیاں - آنکھیں
- داوات - دوات
- کوں - کو
- معنی نگاری - ایک بات میں کئی معنی پیدا کرنا

مشقی سرگرمیاں

* قوافی کو متعلقہ مصرعے سے جوڑ کر مکمل شعر لکھیے۔

	الف	ب
۱۔	اشکِ جاری	ترے غم میں نین سے جو نکلتا ہے انجھو باہر
۲۔	آبداری	تری وو انتظاری ہے جسے حد ہور نہایت نئیں
۳۔	انتظاری	ولی انکھیاں کی کر داوات ، پتلی کی سیاہی سوں
۴۔	معنی نگاری	عجب نئیں اٹھ کے بے تابی سوں سر مارے کنارے پر

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ مطلع سے دکنی الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔

۲۔ غزل کے حوالے سے شاعر کے دل فگاری کے احوال کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳۔ غزل کی روشنی میں شاعر کی بے تابی کا ماجرا سن کر 'دریا کنارے پر سر مارے گا' اس خیال کی وضاحت کیجیے۔

۴۔ شاعر نے غزل میں آنسو کو گوہر سے تشبیہ دی ہے۔ اس تشبیہ کے اجزا کی وضاحت کیجیے۔

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ وہ مصرعہ تلاش کرکے لکھیے جس میں راہبہ کا مترادف لفظ استعمال ہوا ہے۔

۲۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں آنسو کو چمکدار موتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۳۔ وہ مصرعہ لکھیے جس میں راکھ کا مترادف لفظ استعمال ہوا ہے۔

۴۔ اس شعر کی نشان دہی کیجیے جس میں مراعاۃ النظیر کی صنعت استعمال کی گئی ہے۔

* غزل سے وہ اشعار لکھیے جن میں محاورے استعمال کیے گئے ہیں۔

* دیے ہوئے الفاظ سے متعلق غزل میں جو الفاظ آئے ہیں، انھیں دائرے میں لکھ کر خاکہ مکمل کیجیے۔

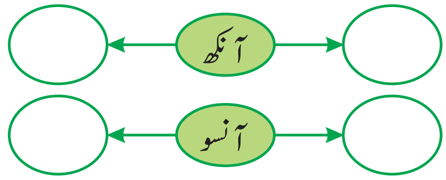

* مقطع کے شعر میں آئے دکنی الفاظ کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

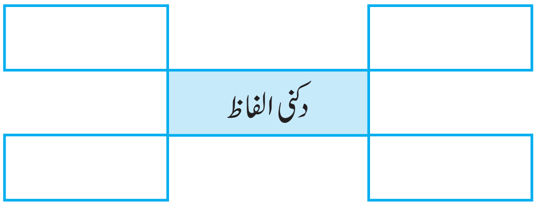

* غزل کی مدد سے موزوں مترادفات لکھ کر خاکہ مکمل کیجیے۔

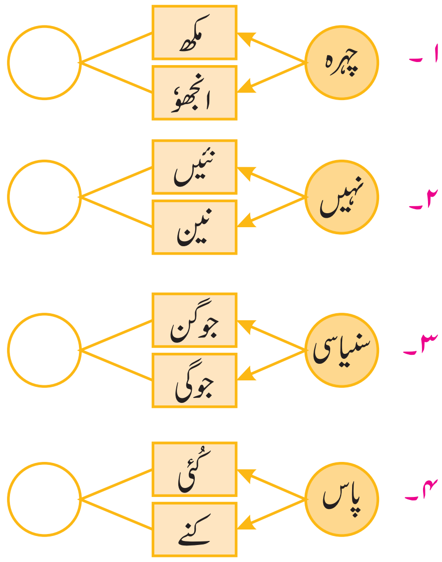

* درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

ہوئی ہے آرسی جوگن ترے مکھ کے تصور میں
بھبھوتی مؤ پہ کیا دم مارتی ہے خاکساری کا

٭ درج ذیل شعر کا تصوّراتی حسن اس طرح بیان کیجیے کہ شاعر کی دل فگاری و بےقراری واضح ہو جائے۔

نہیں کُئی تا سنے احوال میری دل فگاری کا
کہوں کِس کَن ، گریباں چاک کر ، دکھ بے قراری کا

٭ صنعتِ مبالغہ کی تعریف لکھ کر غزل سے مبالغے کا شعر تلاش کر کے اس کی وضاحت کیجیے۔

٭ درج ذیل شعر کا مطلب اپنے الفاظ میں لکھیے۔

تری وو انتظاری ہے جسے حد ہَور نہایت نئیں
شکایت کِس کَنے جا کر کروں اس انتظاری کا

اضافی معلومات

غزل - حاتمؔ

جان پہچان : شیخ فتح الدین کے بیٹے شیخ ظہور الدین حاتمؔ ۱۶۹۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ سپاہی پیشہ اور شاہ محمد امین کے مرید تھے۔ کچھ عرصہ الٰہ آباد کے صوبے دار نواب امیر خاں کی رفاقت میں رہے۔ اس کے بعد ہدایت علی خاں، مراد علی خاں جیسے امرا بھی ان کی مدد کرتے رہے۔ آخر عمر میں انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ حاتمؔ فارسی اور اُردو میں شعر کہتے تھے۔ وہ فارسی میں مرزا صائبؔ اور ریختے میں ولیؔ دکنی کو استاد مانتے تھے۔ رفتہ رفتہ ریختے میں وہ خود استاد ہو گئے۔ سوداؔ انھی کے شاگرد تھے۔ اصلاحِ زبان کا کام سب سے پہلے حاتمؔ نے ہی شروع کیا۔ انھوں نے بہت سے نامانوس الفاظ ترک کر کے فصیح الفاظ داخل کیے۔ ان کی تصانیف میں ایک فارسی دیوان ہے۔ اُردو میں انھوں نے ایک ضخیم دیوان جمع کر لیا تھا جبکہ آخر عمر میں اس سے ایک چھوٹا دیوان تصنیف کیا اور اس کا نام 'دیوان زادہ' رکھا۔ ایک دیوان قدیم رنگ میں تھا جو نادر شاہ کی تاخت و تاراج میں ضائع ہو گیا۔ انھوں نے حقے پر ایک مثنوی محمد شاہ بادشاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ حاتمؔ نے دہلی میں ۱۷۹۱ء میں وفات پائی اور دلّی دروازے کے باہر دفن ہوئے۔

حاتمؔ کی درج ذیل غزل سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولیؔ کی آمد سے شمال میں دکنی زبان کے اثرات کو بھی قبول کیا جانے لگا تھا، بالخصوص جمع بنانے کے طریقوں میں دکنی اُصولوں کو اپنانے کی روایت زور پکڑ رہی تھی مثلاً آنکھ سے انکھیاں، جگ ہنسی سے جگ ہنسائیاں، کلائی سے کلائیاں، خودنمائی سے خودنمائیاں وغیرہ۔ حاتمؔ ولیؔ کی طرزِ زبان کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ ان کی غزلوں کی زبان میں 'دکنی پن' صاف دِکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ حاتمؔ نے خود اصلاحِ زبان کا بیڑا اُٹھایا تھا مگر دکنی زبان کے اثرات سے وہ خود محفوظ نہیں رہے۔

جب سے تمھاری آنکھیں عالم کو بھائیاں ہیں
تب سے جہاں میں تم نے دھومیں مچائیاں ہیں

جور و جفا و محبت و مہر و وفا و اُلفت
تم کیوں بڑھائیاں ہیں اور کیوں گھٹائیاں ہیں

مل مل کے روٹھ جانا اور روٹھ روٹھ ملنا
یہ کیا خرابیاں ہیں کیا جگ ہنسائیاں ہیں

زلفوں کا بل بناتے آنکھیں چرا کے چلنا
کیا کم نگاہیاں ہیں کیا کج ادائیاں ہیں

آئینہ روبرو رکھ اور اپنی سج بنانا
کیا خود پسندیاں ہیں کیا خودنمائیاں ہیں

حاتمؔ کے بن اشارہ سچ کہہ یہ چشم و ابرو
کس سے لڑائیاں ہیں کس پر چڑھائیاں ہیں

غزل - ۲

امام بخش ناسخ

جان پہچان

ناسخؔ کا اصل نام شیخ امام بخش ہے۔ وہ ۱۰؍اپریل ۱۷۷۲ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن لکھنؤ میں گزرا اور وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ ان کا شمار لکھنؤ کے استاد شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے مزاج میں خودداری بہت تھی اس لیے وہ کبھی کسی دربار سے وابستہ نہیں ہوئے۔ اودھ کے حکمراں غازی الدین حیدر انھیں 'ملک الشعرا' کا خطاب دینا چاہتے تھے مگر انھوں نے انکار کردیا اور عتاب کے خوف سے لکھنؤ چھوڑ کر کچھ عرصے کے لیے الہ آباد چلے گئے۔ نظامِ دکن کے دیوان مہاراجا چندو لال نے انھیں حیدرآباد آنے کی دعوت دی مگر انھوں نے اس سے بھی انکار کردیا۔

ناسخؔ شاعری کے ظاہری حسن کے دلدادہ تھے۔ ان کے زمانے میں بہت سے الفاظ متروک قرار دیے گئے اور نئے نئے لفظوں کا استعمال بڑھا۔ انھیں دبستانِ لکھنؤ کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخ گوئی میں انھیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ انھوں نے تین دیوان اور دو مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں۔ ناسخؔ کا انتقال ۱۶؍اگست ۱۸۳۸ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

اس غزل کے مقطع کے پہلے مصرعے میں شاعر نے کہا ہے کہ حضرت دردؔ نے خوب بات کہی ہے۔ دردؔ کی بات دوسرے مصرعے میں آئی ہے جسے واوین میں لکھا گیا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاعر اپنے سے پہلے گزرے ہوئے شاعر کا کوئی مصرعہ اپنی غزل میں لے کر اس کی حمایت یا مخالفت میں اپنی بات کہتا ہے۔ ایسے شعر کو **تضمین** کا شعر کہتے ہیں۔

نہیں عشق سے زرد ، زردار مَیں ہوں
اگر ہے وہ یوسف ، خریدار مَیں ہوں

وہ بے زار مجھ سے ہوا ، زار مَیں ہوں
وہ مے خوار غیروں میں ہے، خوار مَیں ہوں

تمنا ہے ، ساقی کبھی بزمِ مے میں
وہ سرشار ہو اور ہشیار مَیں ہوں

وہ کرتا ہے باتیں ، میں کرتا ہوں آہیں
گہربار وہ ہے ، شرربار مَیں ہوں

وہی بولتا ہے جو میں بولتا ہوں
اگر وہ ہے بلبل تو منقار مَیں ہوں

دگرگوں ہے ہر آن وضعِ محبت
کبھی غیر مَیں ہوں ، کبھی یار مَیں ہوں

کہا حضرتِ دردؔ نے خوب ناسخؔ
''یہ زلفِ بتاں کا گرفتار مَیں ہوں''

معانی و اشارات

زردار	دولت مند	منقار	چونچ
زار	بری حالت میں	وضعِ محبت	محبت کے انداز
خوار	رسوا، بے عزّت	زلفِ بتاں	معشوقوں کی زلف
بزمِ مے	میخانہ	بتاں	بت کی جمع، مرادمعشوق

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

ا۔ پہلے مطلع میں شاعر اور اس کے دوست کی حالت کا موازنہ کیجیے۔

۲۔ مطلع کا شعر صنعتِ تلمیح کی مثال ہے۔ اس میں جس تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳۔ تیسرے شعر میں شاعر کی تمنا کو واضح کیجیے۔

۴۔ غزل میں دوست کے باتیں کرنے کو گہرباری کہا گیا ہے، وضاحت کیجیے۔

۵۔ پانچویں شعر کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

۶۔ 'دگرگوں ہے ہر آن وضعِ محبت' اس مصرعے کا مفہوم واضح کیجیے۔

* غزل کے موزوں اشعار کی مدد سے خاکہ مکمل کیجیے۔

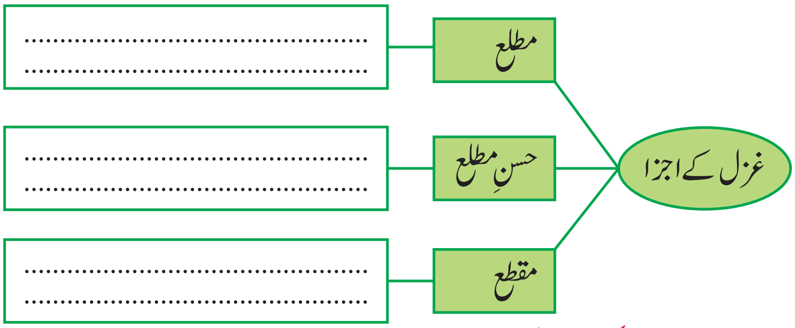

* درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

(i) وہ کرتا ہے باتیں ، میں کرتا ہوں آہیں
گہربار وہ ہے ، شرربار میں ہوں

(ii) وہی بولتا ہے جو میں بولتا ہوں
اگر وہ ہے بلبل تو منقار میں ہوں

* وہ بے زار مجھ سے ہوا ، زار میں ہوں
وہ مے خوار غیروں میں ہے ، خوار میں ہوں

دیے ہوئے شعر سے تجنیس کے الفاظ تلاش کیجیے۔

(i) تجنیس کا نام لکھیے۔

(ii) تجنیس کی تعریف لکھیے۔

(iii) وضاحت کیجیے۔

* اس غزل میں مستعمل ضمائر 'میں' اور 'وہ' کی صفات متعلقہ خانوں میں لکھیے۔

میں	وہ
....	....
....	....
....	....

غزل - ۳

ریاضؔ خیرآبادی

جان پہچان

ریاضؔ کا اصل نام سیّد ریاض احمد ہے۔ ان کی پیدائش ۱۸۵۲ء میں ضلع سیتاپور کے گاؤں خیرآباد میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے نام کو تخلص کے طور پر اختیار کیا۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے والد طفیل احمد سے حاصل کی۔ جب ان کی طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوئی تو ابتدا میں انھوں نے مظفر علی اسیرؔ اور ان کے انتقال کے بعد امیرؔ مینائی کی شاگردی اختیار کی۔ ریاضؔ کو 'لسان الملک' اور 'خیام الہند' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے خیرآباد سے 'ریاض الاخبار' اور ماہ نامہ 'گل کدۂ ریاضؔ' جاری کیے۔ ریاضؔ نے گورکھپور میں بھی سکونت اختیار کی۔ یہاں انھوں نے 'فتنہ' اور 'عطرِ فتنہ' نامی رسالے جاری کیے جن میں ادبی لطائف اور ذوقِ سخن سے متعلق مواد ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو انگریزی ناولوں کا ترجمہ بھی کیا۔ محمودآباد کے راجا صاحب کے اصرار پر وہ لکھنؤ آ گئے تھے۔

ریاضؔ خیرآبادی نے اُردو غزل کو نیا رنگ بخشا۔ شراب کی سرمستی اور سرشاری سے معمور اشعار کی کثرت کی وجہ سے انھیں اُردو شاعری کا 'رندِ پارسا' کہا جاتا ہے۔ ان کا کلیات 'ریاضِ رضواں' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ریاضؔ آبائی وطن میں ہیضے کا شکار ہوئے اور ۲۸ر جولائی ۱۹۳۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔

شرمِ گنہ سے حشر میں جایا نہ جائے گا
ہم سے تو منہ خدا کو دِکھایا نہ جائے گا

ہم سے بھی اس کے دام گھٹائے نہ جائیں گے
ان سے جو مول دل کا بڑھایا نہ جائے گا

بن بن کے بجلی ، آگ لگانے وہ آئیں گے
آنکھوں میں نور بن کے سمایا نہ جائے گا

وہ بھی کھنچے ہیں ، تیغ بھی ان کی کھنچی ہوئی
دونوں کا ناز ہم سے اُٹھایا نہ جائے گا

دل دیں کسی کے دستِ حنائی میں کس طرح
ہم سے تو آگ میں یہ جلایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ساتھ مرے شمعِ بزم کو
روتے ہوؤں کو تم سے ہنسایا نہ جائے گا

کہتے ہیں وہ ریاضؔ کا دل لے کے کیا کریں
ہم سے گلے کا ہار بنایا نہ جائے گا

معانی و اشارات

منہ نہ دِکھانا	-	سامنے نہ جانا، سامنا نہ کرنا
کھنچا ہونا	-	غصّے میں ہونا
ناز اُٹھانا	-	نخرے برداشت کرنا
گلے کا ہار بنانا	-	قریب رکھنا

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

ا۔ شاعر حشر میں خدا کو منہ دِکھانے کے قابل نہیں۔ وجہ بیان کیجیے۔

۲۔ دل کے سودے میں شاعر اور اس کے دوست کا رویہ بیان کیجیے۔

۳۔ ناز اُٹھانے میں شاعر کی پریشانی واضح کیجیے۔

۴۔ شاعر اور شمعِ بزم کی حالت کی یکسانیت واضح کیجیے۔

۵۔ شاعر اور شمع بزم کو بزم والوں کے چھیڑنے کا مقصد لکھیے۔

۶۔ غزل میں آئے ہوئے محاورے تلاش کر کے اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

۷۔ غزل سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔

۸۔ درج ذیل شعر کی تشریح اپنے الفاظ میں کیجیے۔

بن بن کے بجلی، آگ لگانے وہ آئیں گے
آنکھوں میں نور بن کے سمایا نہ جائے گا

* دیے ہوئے مصرعے کی مناسبت سے خالی چوکون میں مناسب محاورہ لکھیے۔

ا۔ ہم سے تو منہ خدا کو دِکھایا نہ جائے گا

۲۔ وہ بھی کھنچے ہیں، تیغ بھی ان کی کھنچی ہوئی

۳۔ دل دیں کسی کے دستِ حنائی میں کس طرح

۴۔ ہم سے گلے کا ہار بنایا نہ جائے گا

* درج ذیل شعر کا مطلب اپنے الفاظ میں لکھیے۔

ہم سے بھی اس کے دام گھٹائے نہ جائیں گے
ان سے جو مول دل کا بڑھایا نہ جائے گا

* درج ذیل شعر کا معنوی حسن بیان کیجیے۔

وہ بھی کھنچے ہیں ، تیغ بھی ان کی کھنچی ہوئی
دونوں کا ناز ہم سے اُٹھایا نہ جائے گا

* درج ذیل شعر کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

دل دیں کسی کے دستِ حنائی میں کس طرح
ہم سے تو آگ میں یہ جلایا نہ جائے گا

سرگرمی/منصوبہ

’اشعار میں محاورے‘ کا البم تیار کیجیے۔ شعر لکھ کر محاورہ اور اس کا مطلب لکھیے۔

غزل - ۴

نوحؔ ناروی

جان پہچان

نوحؔ ناروی کا پورا نام محمد نوح اور تخلص نوحؔ تھا۔ وہ ۱۸؍ستمبر ۱۸۷۸ء کو بھوانی پور (رائے بریلی) میں پیدا ہوئے۔ مختلف اساتذہ سے ابتدائی عربی، فارسی کا علم حاصل کیا۔ ابتدا ہی سے ان کا مَیلان شعرگوئی کی طرف تھا۔ بعد میں انھوں نے داغؔ کی شاگردی اختیار کی۔ وہ داغؔ کے جانشین ہیں۔ نوحؔ کا شمار استاد شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے۔ نوحؔ کی شاعری کا مزاج عاشقانہ ہے۔ انھیں جملے تراشنے، فقرے وضع کرنے اور خوب صورت الفاظ کے استعمال سے اُنسیت ہے۔ انھوں نے زبان کے محاوروں کو بڑی خوب صورتی سے اپنے شعروں میں استعمال کیا ہے۔ ان کے کئی دیوان ہیں مثلاً 'سفینۂ نوحؔ، طوفانِ نوحؔ، اعجازِ نوحؔ' وغیرہ۔ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۶۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

بڑی سند ہے یہی اشکِ غم بہانے کی
مٹی مٹی سی عبارت مرے فسانے کی

ملی یہ داد ہمیں اپنے دل لگانے کی
ترے ستم سہے ، باتیں سہیں زمانے کی

جو کچھ کہا وہ کہا ، خیر اب خموش رہو
دلاؤ یاد نہ گزرے ہوئے زمانے کی

مکان ہو یہ مبارک مکان والوں کو
ہمیں ہے فکر کسی دل میں گھر بنانے کی

وہ دل جلوں سے یہ کہتے ہیں ، آہ آہ کرو
ابھی ہَوا نہیں پہچانتے زمانے کی

علاوہ خانہ خرابی کے اور کچھ بھی نہ ہو
یہی شناخت ہے میرے غریب خانے کی

یہ ہم کو سانس اُکھڑنے سے ہوگیا معلوم
کہ اک طرح نہیں رہتی ہَوا زمانے کی

اُٹھائیں ہم کوئی طوفان تو بیاں بھی کریں
وہ بات پوچھتے ہیں نوحؔ کے زمانے کی

معانی و اشارات

داد - انصاف، تعریف

شناخت - شناسائی، پہچان

اک طرح نہ رہنا - بدلتے رہنا

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے افسانے کی عبارت مٹی مٹی ہے، اس کی وجہ بیان کیجیے۔

۲۔ شاعر کو دل لگانے سے جو حوصلہ ملا ہے، اسے بیان کیجیے۔

۳۔ شاعر دوست کو خاموش رہنے کی تاکید کر رہا ہے، وجہ لکھیے۔

۴۔ چوتھے شعر میں شاعر کو جس بات کی فکر ہے، اسے واضح کیجیے۔

۵۔ شاعر نے غریب خانے کی جو پہچان بتائی ہے، اسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۶۔ اس غزل میں تلمیحی شعر کو پہچان کر اس واقعے کو مختصراً بیان کیجیے۔

۷۔ غزل سے اپنی پسند کے شعر کی نشاندہی کیجیے اور پسند کی وجہ بیان کیجیے۔

* درج ذیل اشعار کا مطلب اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

(i) مکان ہو یہ مبارک مکان والوں کو
ہمیں ہے فکر کسی دل میں گھر بنانے کی

(ii) وہ دل جلوں سے یہ کہتے ہیں، آہ آہ کرو
ابھی ہوا نہیں پہچانتے زمانے کی

(iii) یہ ہم کو سانس اُکھڑنے سے ہوگیا معلوم
کہ اک طرح نہیں رہتی ہوا زمانے کی

* زمانے کی ہوا نہ پہچاننا اور زمانے کی ہوا ایک طرح نہ رہنا، ان محاوروں کی وضاحت کیجیے۔

* غزل میں آئے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

دل لگانا ، آہ آہ کرنا ، سانس اُکھڑنا ، طوفان اُٹھانا ، دل میں گھر بنانا

* 'کہ اک طرح نہیں رہتی ہوا زمانے کی' اس مصرعے کی روشنی میں زمانے کی تبدیلی کے بارے میں لکھیے۔

* شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

غزل کے قافیے

* ہر شعر کے سامنے غزل کے اجزا کے نام لکھیے۔

بڑی سند ہے یہی اشکِ غم بہانے کی
مٹی مٹی سی عبارت مرے فسانے کی

ملی یہ داد ہمیں اپنے دل لگانے کی
ترے ستم سہے ، باتیں سہیں زمانے کی

اُٹھائیں ہم کوئی طوفان تو بیاں بھی کریں
وہ بات پوچھتے ہیں نوحؑ کے زمانے کی

غزل - ۵

خورشید احمد جاؔمی

جان پہچان

خورشید احمد جاؔمی کی پیدائش ۱۵؍مئی ۱۹۱۵ءکو حیدرآباد (دکن) میں ہوئی۔ جاؔمی کے بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، اس لیے معاشی مشکلات نے گھیر لیا۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کی سند حاصل کی۔ روزگار کے سلسلے میں وہ محکمۂ آبکاری میں کچھ عرصہ ملازم رہے مگر بعد میں انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔

جاؔمی ایک پختہ کار شاعر تھے۔ انھیں فن پر عبور اور زبان پر قدرت حاصل تھی۔ وہ جلیؔل مانک پوری کے شاگرد تھے۔ استاد کے انتقال کے بعد وہ علی اخؔتر حیدرآبادی اور جوؔش ملیح آبادی کے شاگرد ہوئے۔ ابتدا میں انھوں نے روایتی انداز کی شاعری کی مگر وطن کی آزادی بالخصوص حیدرآباد میں سیاسی اتھل پتھل کے بعد ان کے شعر کہنے کا انداز بدل گیا۔ ان کی شاعری نے اپنی لفظیات اور موضوعات کے حوالے سے منفرد شناخت بنائی۔ انھوں نے اُردو میں نئی غزل کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی غزلیں اپنے عہد کے مسائل اور تلخ حقیقتوں کو پیش کرتی ہیں۔ ان کے شعری مجموعے ’برگِ آوارہ، رخسارِ سحر، یاد کی خوشبو‘ مقبول ہو چکے ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی نثر اور نظم دونوں میں لکھا۔ بچوں کی نظموں کا مجموعہ ’تاروں کی دنیا‘ کے نام سے شائع کیا۔ جاؔمی کا انتقال ۸؍ مارچ ۱۹۷۰ءکو ہوا۔

خوابوں کی فضا ہے نہ خیالوں کی پری ہے
ہر سمت وہی دھوپ کی دیوار کھڑی ہے

دیکھا تو وہ جھونکا تھا نسیمِ سحری کا
دھوکا یہ ہوا تھا کہ صدا آپ نے دی ہے

اک بار ذرا موسمِ گل کو بھی دِکھاؤ
سوکھے ہوئے پتوں پہ کوئی لاش پڑی ہے

قبروں پہ لگائے ہوئے کتبے تو نہیں ہیں
ہر شکل پہ کیوں ایک سی تحریر لکھی ہے

اک صبح چُراتی ہے ترا رنگِ ندامت
اک رات سنا ہے کہ مجھے ڈھونڈ رہی ہے

کھو جاؤگے لفظوں کے حسیں شہر میں جاکر
اوہام و عقائد کی وہاں بھیڑ لگی ہے

معانی و اشارات

رنگِ ندامت - شرم کا رنگ

اوہام - وہم کی جمع، گمان، خیال

مشقی سرگرمیاں

✻ **ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ شاعر کو نسیم سحری سے جس بات کا دھوکا ہوا ہے، اسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲۔ دی ہوئی غزل سے درج ذیل الفاظ کے مترادف تلاش کر کے لکھیے۔

آواز ، ہوا ، شرمندگی

۳۔ سوکھے پتوں کو دیکھ کر شاعر کے ذہن میں پیدا ہونے والے خیال کی وضاحت کیجیے۔

۴۔ اوہام اور عقائد کو شاعر نے لفظوں کے حسین شہر کہا ہے، اس خیال کی وضاحت کیجیے۔

✻ **درج ذیل اشعار کا مطلب اپنے الفاظ میں لکھیے۔**

(i) قبروں پہ لگائے ہوئے کتبے تو نہیں ہیں
ہر شکل پہ کیوں ایک سی تحریر لکھی ہے

(ii) اک صبح چراتی ہے ترا رنگِ ندامت
اک رات سنا ہے کہ مجھے ڈھونڈ رہی ہے

(iii) کھو جاؤ گے لفظوں کے حسیں شہر میں جا کر
اوہام و عقائد کی وہاں بھیڑ لگی ہے

✻ **لفظ 'گل' سے نیا لفظ جوڑ کر مرکب الفاظ کا شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔**

گل
↓

سرخ پھول -	
پھول سے جسم والا -	
گلاب کی پنکھڑی -	
پھول برسانے والا -	

غزل - ٦

باقؔر مہدی

جان پہچان

باقؔر مہدی ۱۱؍فروری ۱۹۲۷ء کو ردولی (بارہ بنکی) میں پیدا ہوئے مگر ان کی عمر کا بڑا حصہ ممبئ میں گزرا۔ انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے معاشیات اور ممبئ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم.اے کیا۔ ان کی متعدد تصانیف میں 'شہرِ آرزو، کالے کاغذ کی نظمیں، ٹوٹے شیشے کی آخری نظمیں' (شعری مجموعے)، 'آگہی و بے باکی، شعری آگہی، تنقیدی کشمکش' (تنقیدی مجموعے) اور ادبی مجلّہ 'اظہار' قابلِ ذکر ہیں۔ 'سیاہ سیاہ' عنوان سے ان کی شاعری کا کلیات شائع ہو چکا ہے۔

باقؔر مہدی کا شمار جدیدیت کے علم بردار اِن شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی شاعری میں نئے نئے تجربات کو زیادہ راہ دی۔ انھوں نے نظموں اور غزلوں دونوں میں طبع آزمائی کی۔ ان کی نظموں میں احتجاج کی فضا حاوی نظر آتی ہے۔ وہ روشن خیالی اور انسان دوستی کے نظریات کے حامی تھے۔ 'تنقیدی کشمکش' پر اُتر پردیش اور مہاراشٹر کی اُردو اکیڈمیوں نے انھیں انعامات سے نوازا۔ ان کا انتقال ۲۳؍ستمبر ۲۰۰۶ء کو ممبئ میں ہوا۔

دردِ دل آج بھی ہے ، جوشِ وفا آج بھی ہے
زخم کھانے کا ، محبت میں مزا آج بھی ہے

گرمیِ عشق نگاہوں میں نہیں ہے ، نہ سہی
مسکراتی ہوئی آنکھوں میں حیا آج بھی ہے

حسن پابندِ قفس ، عشق اسیرِ آلام
زندگی ، جرمِ محبت کی سزا آج بھی ہے

بندشِ لب کے قوانین وہی ہیں ، اے دوست
زہر آمیز زمانے کی فضا آج بھی ہے

دستِ مزدور سے اُلجھی ہوئی زنجیریں ہیں
آہنی ہاتھوں پہ یہ ظلم روا آج بھی ہے

غم کدوں پر ہیں وہی جنگ کے بادل چھائے
امن کی گونجتی ہر سمت ندا آج بھی ہے

اپنے آلام و مصائب کا وہی ہے درماں
'درد کا حد سے گزرنا' ہی دوا آج بھی ہے

میرؔ و غالبؔ کے زمانے سے نئے دور تلک
شاعرِ ہند گرفتارِ بلا آج بھی ہے

معانی واشارات

پابندِ قفس	- پنجرے میں قید	بندشِ لب	- اظہار کی آزادی کا نہ ہونا
اسیرِ آلام	- مصیبتوں میں گرفتار	زہر آمیز	- زہریلا

مشقی سرگرمیاں

* زندگی کو شاعر نے جرمِ محبت کی سزا کہا ہے۔ اسباب بیان کیجیے۔
* 'درد کا حد سے گزرنا' شعر کا یہ فقرہ غالبؔ کی ایک غزل سے لیا گیا ہے، وہ شعر تلاش کر کے لکھیے۔
* درج ذیل شعر کی تشریح اپنے الفاظ میں لکھیے۔

دستِ مزدور سے اُلجھی ہوئی زنجیریں ہیں
آہنی ہاتھوں پہ یہ ظلم روا آج بھی ہے

* 'بندشِ لب کے قوانین' سے شاعر کا جس طرف اشارہ ہے، اسے لکھیے۔
* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ زمانے کی فضا زہر آمیز ہے، وضاحت کیجیے۔
۲۔ نگاہوں میں گرمیِ عشق اور آنکھوں میں حیا کا ربط بیان کیجیے۔
۳۔ غزل کے مقطع کا مطلب واضح کیجیے۔

* غزل کے اشعار کی مدد سے دیے ہوئے الفاظ کے لیے موزوں لفظی ترکیب لکھیے۔

حسن ← ______
عشق ← ______
زندگی ← ______
فضا ← ______

* دی ہوئی اضافی ترکیبوں کو 'حرفِ اضافت' (کا، کی، کے) کا استعمال کر کے خالی چوکون میں لکھیے۔

جرمِ محبت ← ______
جوشِ وفا ← ______

بندشِ لب ← ______
گرفتارِ بلا ← ______

* موجودہ زمانے کی روش اور حالات کے تناظر میں درج ذیل شعر کا استحسان کیجیے۔

بندشِ لب کے قوانین وہی ہیں، اے دوست
زہر آمیز زمانے کی فضا آج بھی ہے

* درج ذیل شعر کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

میرؔ و غالبؔ کے زمانے سے نئے دور تلک
شاعرِ ہند گرفتارِ بلا آج بھی ہے

* درج ذیل شعر کی روشنی میں عالمی منظرنامے پر روشنی ڈالیے۔

غم کدوں پر ہیں وہی جنگ کے بادل چھائے
امن کی گونجتی ہر سمت ندا آج بھی ہے

* مناسب الفاظ کی مدد سے خاکہ مکمل کیجیے۔

حیا ← ______
زندگی ← ______
زنجیریں ← ______
شاعرِ ہند ← ______

غزل - ۷

رؤف خیرؔ

جان پہچان

رؤف خیر کا اصل نام محمد عبدالرؤف اور تخلص خیرؔ ہے۔ ان کی پیدائش ۵/نومبر ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد (دکن) میں ہوئی۔ انھوں نے پی ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ گورنمنٹ جونیئر کالج، ورنگل میں اُردو کے لیکچرر ہوئے۔ ان کی تصانیف میں 'اقرأ، ایلاف، شہداب' (شعری مجموعے)، 'بچشمِ خیرؔ، اقبالؔ بچشمِ خیرؔ، خطِ خیرؔ، دکن کی چند ہستیاں' (تنقیدی مجموعے) اور 'قطار' (اقبالؔ کے فارسی قطعات کا منظوم ترجمہ) منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

رؤف خیرؔ کا شمار جدیدیت کے نمائندہ شعرا میں کیا جاتا ہے۔ کلام کی صلابت اور پر اعتماد لہجے نے انھیں بہت جلد ممتاز جدید شاعروں کی صف میں کھڑا کردیا۔ ان کے کلام میں غزلیں، نظمیں، آزاد نظمیں، سانیٹ، ترائیلے (ایک فرانسیسی صنفِ سخن) سبھی رنگ ملتے ہیں۔

جس شعر میں شاعر اپنی شاعری یا اپنی ذات کے بارے میں فخر کا اظہار کرتا ہے، اسے **تعلّی** کہتے ہیں۔ اس غزل میں تعلّی کی مثالیں موجود ہیں۔

جنوں پسند ، حریفِ خرد تو ہم بھی ہیں
عدو جو نیک نہیں ہے تو بد تو ہم بھی ہیں

ہزار صِفر سہی ، اک عدد تو ہم بھی ہیں
تمھارے ساتھ ازل تا ابد تو ہم بھی ہیں

اب اتنا ناز سمندر مزاجیوں پہ نہ کر
کہ اپنے آپ میں اک جزر و مد تو ہم بھی ہیں

ہم اپنے آپ سے آگاہ اس قدر تو نہ تھے
چلو ، نشانۂ رشک و حسد تو ہم بھی ہیں

گلہ نہیں ہے اگر تم پہ کھل نہیں پائے
خود اپنے آپ سے ہی نابلد تو ہم بھی ہیں

کوئی ہمیں نظر انداز کر نہیں سکتا
سخن وری کے گلِ سرسَبد تو ہم بھی ہیں

ہیں مہربان بہرحال اپنے یاروں پر
مخالفین کے رد میں اشد تو ہم بھی ہیں

پڑے ہیں خیرؔ، دکن میں تو چشمِ کم سے نہ دیکھ
اگرچہ میرؔ نہیں ہیں ، سند تو ہم بھی ہیں

معانی و اشارات

جنوں پسند	-	جنون کو پسند کرنے والے
حریفِ خرد	-	عقل کے دشمن
سمندر مزاجی	-	سمندر کا سا مزاج رکھنے والا، مراد بار بار تبدیل ہونا
کھل نہ پانا	-	اپنے آپ کو ظاہر نہ کرنا، واضح نہ ہونا
نابلد	-	ناواقف
سخن وری	-	شاعری
گُلِ سرِسَبَد	-	پھولوں کی ٹوکری میں سب سے اوپر والا پھول، مراد نمایاں
سبد	-	ٹوکری
اشد	-	بہت شدت کرنے والا
چشم کم سے دیکھنا	-	کم تر سمجھنا

مشقی سرگرمیاں

* شاعر نے اپنے لیے جن صفات کا استعمال کیا ہے اُن سے ذیل کا شمسی خاکہ مکمل کیجیے۔

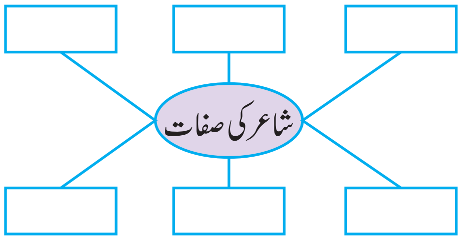

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

ا۔ شاعر کو اپنے نظر انداز نہ کیے جانے کے یقین کی وجہ لکھیے۔

۲۔ درج ذیل شعر کا مطلب لکھیے۔

ہم اپنے آپ سے آگاہ اس قدر تو نہ تھے
چلو ، نشانۂ رشک و حسد تو ہم بھی ہیں

۳۔ شاعر نے سمندر مزاجیوں پر ناز نہ کرنے کی جو وجہ بتائی ہے، اسے لکھیے۔

۴۔ 'ہزار صف' فقرے میں 'ہزار' کے دو معنی ہیں، انھیں لکھیے۔

۵۔ سمندر مزاجی کے مقابلے کے لیے شاعر نے اپنی جو صفت بتائی ہے، اسے لکھیے۔

۶۔ 'نشانۂ رشک و حسد' بننے سے شاعر کو جو فائدہ ہوا ہے، اسے بیان کیجیے۔

۷۔ 'شاعر اپنے آپ کو نہیں جانتا' اِس مفہوم کا مصرعہ لکھیے۔

۸۔ اس غزل سے تعلّی کے دو اشعار چن کر لکھیے۔

* حصہ 'الف' میں دیے ہوئے الفاظ کے پہلے لفظ کا استعمال کر کے حصہ 'ب' میں اسی ترکیب کا نیا مرکب لفظ بنائیے۔

حصہ الف	حصہ ب
حریفِ خرد	....
سخن وری	....
گلِ سرسبد	....
چشمِ کم	....

* درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

اب اتنا ناز سمندر مزاجیوں پہ نہ کر
کہ اپنے آپ میں اک جزر و مد تو ہم بھی ہیں

* 'سخن وری کے گلِ سرسبد تو ہم بھی ہیں' اس مصرعے کی روشنی میں شاعر کی شاعرانہ خود اعتمادی کا استحسان کیجیے۔

* صنعتِ تضاد کی تعریف لکھیے اور اس غزل سے صنعتِ تضاد کے اشعار تلاش کر کے لکھیے۔

قواعد

مجازِ مرسل

ذیل کے جملوں کو پڑھ کر ان کے مفہوم پر غور کیجیے:

۱) • بس دومنٹ میں واپس آتا ہوں۔ (مگر بولنے والا گھنٹے بھر کے بعد واپس آتا ہے) یہ جز بول کر کُل مراد لینا ہے۔
• 'ان ہاتھوں کی تعظیم کرو' (دراصل مزدور کی تعظیم کرو) یہ کُل بول کر جز مراد لینا ہے۔

۲) • میز پر چائے رکھی ہے۔ (چائے سے بھرا کپ رکھا ہے) یہ مظروف بول کر ظرف مراد لینا ہے۔
• بچہ ٹفن لے کر گیا تھا۔ (ٹفن میں کھانا لے کر گیا تھا) یہ ظرف بول کر مظروف مراد لینا ہے۔

کبھی گفتگو میں یا لکھتے وقت ہم لفظوں کو ان کے معلوم معنی سے الگ معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے معنی دو قسم کے ہیں (۱) لغوی معنی یعنی جو معلوم ہیں اور لغت میں لکھے ہوئے ہیں (۲) مجازی معنی جو لغت میں لکھے ہوئے نہیں ہیں مگر بولنے اور سننے والا ان کے معنی اپنی سمجھ کے مطابق طے کر لیتا ہے۔ لفظوں کے ایسے استعمال کو مجازِ مرسل کہتے ہیں۔ مجازِ مرسل ہماری گفتگو میں بہت عام ہے۔

اس کی کئی قسمیں ہیں۔ زبان کا مجازی استعمال شاعری میں بھی خوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً

بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال　　　چرخ گویا ہے آب در غربال

اس شعر میں 'بوند' (جز) سے مراد 'بارش' (کُل) ہے۔

جز بمعنی کل : مثال

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا　　　کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

یہاں لفظ 'سر' (جز) کو سر والے یعنی 'شخصیت' (کُل) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

کل بمعنی جز : مثال

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا　　　ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

یہاں 'بازار' (کُل) کہہ کر بازار کی 'دکان' (جز) مراد ہے۔

ظرف بمعنی مظروف : مثال

سو بار بیاباں میں گیا محملِ لیلیٰ　　　مجنوں کی طرف ناقہ کوئی گام نہ آیا

بیاباں میں صرف 'محمل' (ظرف) نہیں گیا۔ اس میں 'لیلیٰ' (مظروف) بھی تھی۔

مظروف بمعنی ظرف : مثال

چشم و دل سے جو نکلا ہجراں میں　　　نہ کبھو بحر و کان سے نکلا

یہاں چشم و دل سے نکلنے والی اشیا 'آنسو اور خون' (مظروف) مراد ہیں جو 'بحر و کان' (ظرف) سے نکلتے ہیں۔

لف و نشر

آتش کا یہ شعر پڑھ کر لفظوں کے استعمال پر غور کیجیے:

جو ابر گریہ کناں ہے تو برق خندہ زناں　　　کسی میں خو ہے ہماری، کسی میں خو تیری

پہلے مصرعے میں دو اسموں کو ان کی صفات کے ساتھ بیان کیا ہے یعنی ابر - گریہ کناں　　برق - خندہ زن

مصرعے میں لفظوں کے ایسے استعمال کو 'لف' (یعنی لپیٹنا) کہتے ہیں۔

انھی دو باتوں کو دوسرے مصرعے میں ہماری اور تیری خو (عادت) سے جوڑا گیا ہے یعنی ابر کی طرح رونا ہماری خو ہے اور برق کی طرح خندہ زن ہونا (یعنی ہنسنا) تیری خو ہے۔

دوسرے مصرعے میں پہلے مصرعے کی چیزوں سے ربط کو کھولا گیا ہے، اسے 'نشر' (یعنی کھولنا / پھیلانا) کہتے ہیں۔ شعر میں لفظوں کے ایسے استعمال کو صنعتِ لف و نشر کہا جاتا ہے۔ غالبؔ کا شعر :

آتش و آب و خاک و باد نے لی　　　وضعِ سوز و نم و رم و آرام

یہاں پہلے مصرعے کے الفاظ 'آتش، آب، خاک، باد' (لف) کے مقابلے میں دوسرے مصرعے کے الفاظ 'سوز، نم، رم، آرام' (نشر) لائے گئے ہیں۔

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کے شعروں میں لف و نشر سے ربط والے الفاظ کو آمنے سامنے لکھیے۔

۱۔ بحر و بر میں جھاڑ دے دامن اگر تو فیض کا
قطرہ دُرِ بے بہا ہو، لعل سنگِ بے بہا

۲۔ کس قدر ہوتے ہیں ناخوش کس قدر ہوتے ہیں خوش
آپ ہم کو دیکھ کر اور آپ کو ہم دیکھ کر

* اس شعر میں مجازِ مرسل کی قسم بتایئے۔

ترے غم میں نَیَن سے جو نکلتا ہے انجھو باہر
دؤجا گوہر کہاں ہے جگ میں اُس کی آبداری کا

تجنیسِ خطی

ذیل کے اشعار پڑھ کر ان میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے :

تیاریِ تیغ و تبر و تیر ہوئی ہے　　　تدبیرِ گرفتاریِ شبّیر ہوئی ہے

تلافی ہوگئی عسرت کی عشرت، اے زہے قسمت　　　مبدل ہوگئی آسانیوں سے میری دشواری

پہلے شعر کے الفاظ 'تبر- تیر' لکھنے میں ایک سے ہیں۔ ان میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ دوسرے شعر کے الفاظ 'عسرت- عشرت' بھی یکساں لکھے گئے ہیں، صرف نقطوں کا فرق ہے۔

جب شعر میں ایسے دو لفظ آئیں کہ املا میں ایک جیسے ہوں مگر صرف ایک دو نقطوں کے فرق سے ان کے معنی بدل جاتے ہوں تو ایسی تجنیس کو تجنیسِ خطی کہتے ہیں۔

تجنیسِ زائد/ ناقص

ذیل کے اشعار پڑھ کر ان میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے :

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو　　　مہرباں، بات ہے، نبات نہیں

متاعِ جاں پہ مری چال چل رہا ہے کوئی　　　دیا ہے جس نے مجھے دل اسے دماغ ملا

دیوار کھڑی کرتے ہوئے راہ میں راہی　　　کہتا ہے کہ سایے کو شجر آئے نہ آئے

پہلے شعر کے الفاظ 'بات - نبات' میں ایک حرف 'ن' شروع میں زائد ہے۔
دوسرے شعر کے الفاظ 'چال - چل' میں ایک حرف 'ا' درمیان میں زائد ہے۔
اور تیسرے شعر کے الفاظ 'راہ - راہی' میں ایک حرف 'ی' آخر میں زائد ہے۔
جب شعر میں ایسے دو لفظ آئیں جن کے املا میں ایک حرف (شروع، درمیان یا آخر میں) زیادہ ہو تو ایسی تجنیس کو **تجنیسِ زائد** یا **تجنیسِ ناقص** کہتے ہیں۔

تجنیسِ مذّیل

ذیل کے اشعار پڑھ کر ان میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے :

مانگ سے اس کی ، مانگتی ہے بھیک
سر کا کاسہ ہوا شبِ تاریک

چشم غضب سے نیم نگہ میرے واسطے
اک نیمچہ ہے زہر میں گویا بجھا ہوا

عجب رنگ رنگیں قباؤں میں تھے
دل و جان جیسے بلاؤں میں تھے

پہلے شعر کے الفاظ 'مانگ - مانگتی' کے آخر میں دو حروف 'ت ی' زائد ہیں۔
دوسرے شعر کے الفاظ 'نیم - نیمچہ' ہیں اور دو حروف 'چ ہ' زائد ہیں۔
تیسرے شعر کے الفاظ 'رنگ - رنگیں' ہیں اور دو حروف 'ی ، ں' زائد ہیں۔
جب شعر کے دو یکساں لفظوں میں ایک لفظ کے آخر میں دو حروف زائد آئیں تو ایسی تجنیس کو **تجنیسِ مذیل** کہتے ہیں۔

مشقی سرگرمیاں

* **درج ذیل اشعار میں تجنیسِ خطی، زائد اور مذیل کی نشان دہی کر کے اس کا نام لکھیے۔**

۱۔ نہیں عشق سے زرد ، زردار میں ہوں
اگر ہے وہ یوسف ، خریدار میں ہوں

۲۔ وہ بے زار مجھ سے ہوا ، زار میں ہوں
وہ مے خوار غیروں میں ہے، خوار میں ہوں

۳۔ یا رب ، خلاقِ ماہ و ماہی تو ہے
بخشندۂ تاج و تخت شاہی تو ہے

۴۔ پردے اُٹھ جائیں جب جدائی کے
حال اس دم کھلیں خدائی کے

بحر اور تقطیع

کسی کہانی کو بلند آواز سے پڑھیے۔ آپ اپنی آواز سن کر محسوس کریں گے کہ اس کے لفظوں کو ادا کرتے وقت گویا ہم کسی سے بات کر رہے ہوں۔ یہ نثر پڑھنے یا بولنے کا انداز ہے۔ ایسے ہی اگر ہم کوئی نظم بلند آواز سے پڑھیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ہماری آواز میں ایک خاص قسم کا اُتار چڑھاؤ یا آہنگ پیدا ہو گیا ہے۔ آہنگ سے پڑھنا شعر پڑھنے کا انداز ہے۔ اسے آوازوں کی موزونیت سے پڑھنا بھی کہتے ہیں۔ موزونیت کا مطلب ہے کہ شعر میں استعمال کیے جانے والے الفاظ ایک خاص وزن رکھتے ہیں۔ یہی شعر کا آہنگ ہے جسے علمی زبان میں بحر کہتے ہیں۔ بحر دراصل شعر کی ادائیگی میں استعمال کیا جانے والا چھوٹی بڑی آوازوں کا ایک نظام ہے۔ مختلف شعروں کا آہنگ یا آوازوں کا نظام مختلف ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے شعروں کی بحریں بھی ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔ شعروں کی بحر کی آوازوں کی مقدار کے مطابق ہر بحر کا الگ نام ہوتا ہے مثلاً بحرِ متقارب۔ ذیل کے مسدس کا ایک بند بلند آواز سے پڑھیے۔

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ، وہ کیا تھا　　جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا　　نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا　　ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

جب یہ اشعار مسلسل پڑھے جاتے ہیں تو ہمیں اپنی آواز میں ایک خاص آہنگ سنائی دیتا ہے۔ یہی ان شعروں کی بحر کا آہنگ ہے۔ آپ نویں جماعت میں سوداؔ کی یہ غزل پڑھ چکے ہیں۔

گدا دستِ اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

اس شعر کے بعد غزل کے دوسرے شعروں کا آہنگ بھی اوپر دیے گئے حالیؔ کے شعروں کے آہنگ جیسا ہے یعنی دونوں کی بحر ایک ہے۔ اس بحر کے آہنگ کو ظاہر کرنے والی چھوٹی بڑی آوازوں کا جو صوتی رکن بنتا ہے، اس کا نام فعولن ہے اور اس رکن کی تکرار سے بننے والی بحر کا نام بحرِ متقارب ہے۔ اب اس رکن کو تکرار سے پڑھیے :

فعولن　فعولن　فعولن　فعولن
فعولن　فعولن　فعولن　فعولن

آپ محسوس کریں گے گویا ہم اوپر دیے ہوئے اشعار پڑھ رہے ہیں۔ اس رکن 'فعولن' میں 'ف' چھوٹی آواز ہے اور 'عو' اور 'لُن' بڑی آوازیں ہیں۔ ان آوازوں کو ہم دیے گئے شعروں کے لفظوں کے سامنے رکھیں تو پتا چلے گا کہ شعر کی چھوٹی آوازیں 'ف' کے مقابل اور بڑی آوازیں 'عولن' کے مقابل آ رہی ہیں جیسے :

عرب جس	کا چرچا	ہے یہ کچھ،	وہ کیا تھا
ف عولن	ف عولن	ف عولن	ف عولن
ع رب جس	کَ چرچا	ہَ یے کچھ	وَ کا تھا
چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ

(چھ آ = چھوٹی آواز، ب آ = بڑی آواز)

جہاں سے		الگ اک		جزیرہ		نما تھا	
ف	عو لن	ف	عو لن	ف	عو لن	ف	عو لن
ج	ہا سے	ا	لگ اک	ج	زی رہ	نُ	ما تھا
چھ آ	ب آ	چھ آ	ب آ	چھ آ	ب آ	چھ آ	ب آ

خیال رہنا چاہیے کہ پہلے مصرعے میں لفظ 'کا'، لفظ 'ہے' اور لفظ 'وہ' چھوٹی آوازوں میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس مصرعے میں لفظ 'کیا' کی یائے وصلی کو گرا کر 'کا' کر دیا گیا ہے جب کہ لفظ 'یہ' لمبی آواز میں جیسے 'یے'۔ رکن 'فعولن' شعر کے دونوں مصرعوں میں آٹھ مرتبہ آیا ہے اس لیے اس سے بننے والی بحر کو **بحر متقارب مثمن سالم** کہتے ہیں۔ (مثمن کے معنی عربی میں آٹھ ہیں)

اوپر کے تجزیوں میں ہم نے شعر کو بحر کے رکن 'فعولن' کے وزن پر جانچا۔ اس عمل کو **تقطیع** کہتے ہیں۔

شعر کی تقطیع کے اِن اصولوں کو یاد رکھیے:

۱۔ چھوٹی آواز کے سامنے چھوٹی اور بڑی آواز کے سامنے بڑی آواز آتی ہے۔
۲۔ ساکن حرف کے سامنے ساکن اور متحرک کے سامنے متحرک حرف آتا ہے۔
۳۔ کبھی چھوٹی آواز کو بڑی آواز کی طرح پڑھنا پڑتا ہے۔
۴۔ کبھی بڑی آواز کو چھوٹی آواز کی طرح بھی پڑھنا پڑتا ہے۔
۵۔ کبھی زیر اضافت کو 'یے' کی طرح بڑی آواز میں پڑھتے ہیں۔
۶۔ ہکاری آوازیں (بھ، جھ، کھ وغیرہ) ایک آواز شمار کی جاتی ہیں (ب، ج، ک وغیرہ)
۷۔ 'ں' کو تقطیع میں شمار نہیں کیا جاتا یعنی غنہ منفرد آواز نہیں ہے۔
۸۔ تشدید والی آوازیں دو آوازیں مانی جاتی ہیں۔
۹۔ تقطیع میں وہی آوازیں شمار کی جاتی ہیں جن کو ادا کیا جاتا ہے۔ ان کا شمار نہیں ہوتا جو صرف لکھی جاتی ہیں، ادا نہیں کی جاتیں۔

بحر ہزج

آتش کے درج ذیل اشعار بلند آواز سے پڑھ کر ان کی موزونیت پر توجہ دیجیے:

محبت کا تری بندہ ہر اک کو، اے صنم پایا
برابر گردنِ شاہ و گدا دونوں کو خم پایا

ہزاروں حسرتیں جاویں گی میرے ساتھ دنیا سے
شرار و برق سے بھی عرصۂ ہستی کو کم پایا

سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں
غنیمت جان، جو آرام تو نے کوئی دم پایا

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بحر متقارب کے رکن میں تین آوازیں ہیں: ایک چھوٹی (فَ) اور دو بڑی (عو اور لن)۔ آتش کے اشعار پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس میں بھی چھوٹی بڑی آوازیں سنائی دیتی ہیں: ایک چھوٹی 'مَ' اور تین بڑی 'فا عی لن'۔ ان آوازوں کے ملنے سے شعر کے آہنگ کا جو وزن بنتا ہے اسے **مفاعیلن** (مفا عی لن) کہتے ہیں اور اس سے بننے والی بحر کا نام **ہزج** ہے۔ رکن مفاعیلن کو تکرار سے پڑھیے:

مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن
مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن مفاعی لُن

آپ کو یہاں یہی محسوس ہوگا گویا ہم آتش کے اشعار پڑھ رہے ہوں۔ مفاعیلن کی تکرار کو ہم دیے گئے شعروں کے سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ شعر کی چھوٹی آوازیں 'مَ' کے سامنے اور بڑی آوازیں 'فاعی لُن' کے سامنے آ رہی ہیں جیسے :

محبت کا	تری بندہ	ہراک کواے	صنم پایا
م فاعی لن	م فاعی لن	م فاعی لن	م فاعی لن
م حب بت کا	تِ ری بندہ	ہَ رِک کواَے	صَ نم پایا
چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ

برابر گر	د نِ شاہ و	گدا دونوں	کوخم پایا
م فاعی لن	م فاعی لن	م فاعی لن	م فاعی لن
ب را بر گر	د نے شاہو	گ دا دونو	کُ خم پایا
چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ	چھ آ ب آ

خیال رہے کہ دوسرے مصرعے کی تقطیع میں 'گردنِ شاہ وٗ' کا فقرہ ٹوٹ جائے گا۔ 'گر' پہلے حصے میں آتا ہے اور لفظ 'گردنِ' کو 'گردنے' پڑھیں گے۔ اسی طرح 'کوخم پایا' میں 'کو' چھوٹی آواز 'کُ' بن جائے گا۔ رکن 'مفاعیلن' شعر کے دونوں مصرعوں میں آٹھ بار آتا ہے اس لیے اس بحر کو **بحر ہزج مثمن سالم** کہتے ہیں۔

مشقی سرگرمیاں

* ذیل کے اشعار کی تقطیع کیجیے۔

۱۔ وہی روشنی ہے ، وہی قمقمے ہیں
وہی شور و غل ہے ، وہی چہچہے ہیں

۲۔ وہ کرتا ہے باتیں ، میں کرتا ہوں آہیں
گہربار وہ ہے ، شرربار میں ہوں

۳۔ دلایا جس نے حق انسان کو عالی تباری کا
شکستہ کردیا ٹھوکر سے بت سرمایہ داری کا

۴۔ ہم ایسی سب کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

۵۔ ہوئی ہے آرسی جوگن ترے مکھ کے تصور میں
بھبھوتی موٗ پہ کیا دم مارتی ہے خاکساری کا

۶۔ وہی بولتا ہے جو میں بولتا ہوں
اگر وہ ہے بلبل تو منقار مَیں ہوں